بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

جہادِ افغانستان کا سرچشمہ

"خدا شہیدوں کی خواہشوں کو زیادہ دیر تک تشنۂ تکمیل نہیں رکھتا مجھے ایسا لگتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب ترنگ زئی کی عظیم قیادت میں جو خون اللہ کے حضور پیش ہوا، اسکی گرمی اب محسوس ہونے لگی ہے۔ جو آواز چمرکنڈ (حضرت سید احمد شہیدؒ کے مجاہدین کا مرکز) سے اٹھی اسکی گونج آج سمرقند میں سنائی دے رہی ہے۔ باسین (جس کے آس پاس مجاہدین سید احمد شہید کے بسیرے تھے۔) کی لہریں شہداء کے جس خون کو بہا کر لے گئی تھیں، وہی خون گھوم پھر کر دریائے آمو (جو افغانستان اور روس کو الگ کرتا ہے۔) تک پہنچ گیا ہے۔ مصنف نے صفحہ ۱۵۴ پر ایک (انگریز گورنمنٹ کے) سرکاری نوٹ کا حوالہ دیا ہے جس میں شیخ الہند **مولانا محمود الحسنؒ** کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ:

"وہ بوڑھے حاجی ترنگ زئی کو جھنجھوڑتا ہے کہ وہ ایسی دیا سلائی روشن کریں جس سے سارا سرحد شعلہ زار بن جائے۔"

اس نوٹ کے لکھنے والے (انگریز سی آئی ڈی) کو یہ دیکھنا نصیب نہ ہو سکا کہ سرحد تو آزادی کا لالہ زار بن گیا ہے۔ لیکن یہ دیا سلائی اب بھی (جہادِ افغانستان کی شکل میں) روشن ہے اور اسکی تپش وسطی ایشیا کی وادیوں اور میدانوں تک محسوس کی جارہی ہے۔ جو ترانے حاجی صاحب کے آزاد مدرسوں میں سنے جاتے تھے، آج وہی ترانے افغان مہاجرین کی خیمہ بستیوں کے سکولوں اور مکتبوں میں سنے جاتے ہیں۔ شہداءِ بالاکوٹ اور شاہ ولی اللہ نے جو پیغام دیا تھا اس کا زمزم آج بھی مجاہدینِ افغانستان کے کانوں میں گونج رہا ہے۔ غرض یہ کہ امام شاملؒ ہو یا ابدالیؒ یا حاجی صاحب ترنگ زئیؒ منزل ایک ہے۔ مقاصد ایک ہیں۔ پانی پت۔ سومنات۔ بالاکوٹ۔ چمرکنڈ۔ بلقان۔ طرابلس۔ یروشلم۔ پنج شیر اور پھر بدر وحنین ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔"

مذکورہ بالا اقتباس اور حقیقت کا ایسا واضح اعتراف کسی عالم، مورخ یا کسی غالی معتقد کے کلام سے نہیں بلکہ صوبہ سرحد کے اس وقت کے سب سے بڑے سربراہ جو خود ایک فوجی جرنیل ہیں کے اس طویل خطبہ سے ہے جو انہوں نے ۲۷ ستمبر ۱۹۸۱ء ۵ بجے شام حضرت حاجی صاحب ترنگ زئی سے متعلق ایک کتاب (مصنفہ جناب عزیز جاوید) کی تقریب رونمائی میں کہے۔ جناب لفٹیننٹ جنرل فضل حق گورنر سرحد نے موجودہ جہاد

افغانستان کی کڑیاں حضرت حاجی صاحب ترنگ زئی کی سرفروشانہ مجاہدانہ سرگرمیوں سے ملاکر ایک ایسی حقیقت کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی جو معاندین کے تعصب وعناد اور دجل وتلبیس کی ہزار کوششوں کے باوجود بھی آفتابِ نصف النہار کی طرح روشن اور عیاں ہے۔ اور اسی اقتباس میں دیئے گئے انگریز کے اعترافی حوالہ سے اس جہاد وحمیت اسلامی کے اصل سرچشمہ پر بھی روشنی پڑجاتی ہے۔ جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن اسیرِ مالٹا کی شکل میں پورے عالمِ اسلام بالخصوص شمال مغربی سرحدی علاقوں کے لئے مینار نور بنی ہوئی تھی۔ وہ جہادِ حریت کا ایک ایسا پاور ہاؤس تھا جس کی برقی لہریں اب بھی رواں دواں ہیں۔ اس چراغ سے حضرت حاجی صاحب بھی روشن ہوئے اور غازی انور پاشا بھی اور یہی وہ چراغ تھا جو حضرت شاہ ولی اللہ اور امام المجاہدین حضرۃ سید احمد شہیدؒ کے مشکوٰۃ ایمان وعزیمت سے منور ہوکر ان کے مقامِ عزیمت وجہاد کا وارث وامین بنا۔ سید احمد شہیدؒ کی تمنائیں اور حضرت شیخ الہندؒ کے خواب آج اس عظیم جہاد کی شکل میں شرمندۂ تعبیر ہو رہے ہیں جو دنیا کی سب سے بڑی سامراجی قوت روس کے ساتھ جاری ہے۔ اور آج بھی جس کی باگ ڈور اسی شیخ الہند مرحوم کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ کے ہاتھ میں ہے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ نے جنگِ اکوڑہ کی رات جس گلشنِ محمدی کو اپنے جان نثاروں کے خون سے پانی دیا وہی سرزمین آج لہلہا اٹھی ہے۔ اور اپنے حقانی فرزندوں کے ذریعہ ملت کی سوکھی کھیتوں کی آبیاری کر رہی ہے۔

مجاہدینِ چمرکنڈ کا خون رائیگاں نہیں گیا۔ مالٹا کے خلوت کدہ کو جس چراغ نے روشن کیا اسکی لَو سے کوہ ہندوکش کی چٹانیں پگھل رہی ہیں۔ اور اسکی ضوفشانیوں سے کابل وغزنی اور بلخ وہرات کے میدان جگمگا اٹھے ہیں۔ اور انشاءاللہ "ریشمی رومال" کی فولادی ڈوریاں ماسکو اور لینن گراڈ کے شہ رگ کا پھندا بنتی جا رہی ہیں۔ شاملی اور تھانہ بھون کے میدانوں میں بلند کئے گئے تکبیر وجہاد کے نعرے دریائے آمو کے اس پار سنائی دینے لگے ہیں۔

الغرض ان بے سروسامان بوریا نشین فقیروں کی سحرکاریوں کا کیا کہنا؟ جن کی قربانیاں صدی ڈیڑھ صدی گذرنے کے بعد بھی زندہ وتابندہ ہیں۔ اور جس کی روشنی میں بخارا وسمرقند تاشقند وخیوا کی گم شدہ عظمت وسطوت کی بازیابی ہو رہی ہے۔ وما ذلك على الله بعزيز ولا تقولوا لمن يقتل فى سبيل الله اموات بل احياءٌ ولكن لا تشعرون۔

دنیائے علم وفضل پچھلے دنوں دو قیمتی شخصیتوں سے محروم ہوگئی حضرت مولانا خیر محمد صاحب مرحوم بانی خیر المدارس ملتان کے قابل وصالح فرزند اور مدرسہ خیر المدارس کے مہتمم حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری